سیاست دانوں کی شامت

از: شیخ ڈاکٹر عبد القادر الصوفی

مایوس امریکی صدر باسکیٹ بالی چال کے ساتھ مائیکروفون کی طرف پھرتیلے انداز میں آگے بڑھا، اور کسی مجرم کو ریمانڈ کے کمرے سے نکالنے کے لیے اپنے معمول کے مطابق بے ڈھنگے اِعلامیہ کے ساتھ اعلان کیا کہ اس نے جنرل میک کرسٹل کو افغانستان میں فوجی قیادت سے ہٹادیا ہے؛ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ درحقیقت مستعفی ہوا ہے۔ دنیا کے ہر شخص کو اور بطورِ خاص اہل امریکہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس نے ایسا کرنے کا عزم مصمم پہلے ہی کر لیا تھا۔

یہ کوئی غیر دانشمندانہ فوری عمل نہیں تھا۔ بلکہ بڑی احتیاط کے ساتھ کسی ماہر کے ہاتھوں تشکیل شدہ منصوبہ تھا؛ تاکہ جمہوری نظام کی ناکامی پر پردہ ڈالا جاسکے، اور جنگ کو باعزت اور مدلل انداز میں جاری رکھا جاسکے۔

آپ ذرا ایک لمحے کے لیے سوچیں کہ یہ آدمی فرانس کے صدر بے چارے سرکوزی کی طرح مسلسل ہمیں یاد دہانی کرا رہا ہے کہ وہ صدرِ مملکت ہے۔ اور اس کے رویے سے بھی یہی کچھ ظاہر ہے۔ اس موقع پر اس نے اعلان کیا کہ وہ دراصل بذات خود کمانڈر ان چیف ہے؛ مگر اس کا انداز کچھ ایسا تھا جس سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ نہ صرف ہمیں بلکہ خود اپنی ذات کو بھی اس کی یقین دہانی کرانا چاہتا تھا۔ ڈیموکریٹک سیاست دان اس مجموعی فریب سے دوچار ہیں کہ بعد مسافت سے جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے اور اس کے لیے میدانِ جنگ میں اُترنا کوئی ضروری نہیں، اور اس طرح غمگین والدین کو ان بزدل سیاست دانوں کے رحم و کرم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ہر کسی پارٹی سے وفاداری رکھنے والے سیاسی درندے کا کچھ یہی رویہ ہوتا ہے۔ محاصرہ شدہ روسی شہر اسٹالن گراڈ کے جہنم زار میدانِ جنگ سے جرمن جنرل نے ہٹلر کو ایک لرزہ خیز ٹیلی گرام بھیجا جو جرمنی کے شہر برلن کے ایک مورچہ میں محفوظ بیٹھا تھا۔ " میں تو میدانِ جنگ میں ہوں، تم کہاں ہو؟"۔

درحقیقت یہ ایک بے جگری سے لڑنے والے بہادر فوجی کا پیغام تھا جو میدانِ جنگ سے واپس آنے والا تھا اور اسے اس پژمردہ چہرے والے سیاست دان سے دوچار ہونا تھا جس کو میدان جنگ میں اُترنے کی بجائے جنگ کو محض ٹیلی ویژن کیمرے کے ذریعہ جاری رکھنا تھا۔

اگر عالمی سطح پر سیاسی طبقہ کے انحطاط کا دور نہ ہوتا اور انسانی صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز نہ ہو گیا ہوتا تو تجویز یہ ہوتی کہ اس بات کو لازمی قرار دیا جائے کہ جس وقت بھی اعلانِ جنگ ہو جائے اسی وقت صدر مملکت اور وزراء مملکت پر مبنی مکمل کیبنٹ کو محاذِ جنگ پر روانہ کر دیا جائے اور جنگی کاروائی میں عملی طور پر حصہ لیں۔ ایسا عمل ہمیں پر امن زندگی کے تصور سے ہمکنار کر دے گا۔

وہ کبھی بھی دشمن کے خلاف برسرِ پیکار نہیں ہوں گے۔ ان کے جنون کا ایک حصہ یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو میدانِ جنگ کی بھینٹ چڑھانے کے لیے روانہ کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری جنگ ہے۔ نفرت انگیز انداز میں بھویں بسورنے والے برطانیہ کے پریمیئر نے "عراقی جنگ" کے دوران "اپنی فوج" کی بات کی حالانکہ وہ خود صدر مملکت بھی نہیں تھا۔

اندر ہی اندر سیاسی نظام زبوں حالی کا شکار ہے۔ اور بظاہر امریکی صدر نے کھلم کھلا یہ اعلان کیا کہ اس کے خیال میں بی پی کے سی ای او کو معزول کر دیا جانا چاہیے۔ اس نے مزید کہا کہ اس مجرم گروہ کے لیے خلیج میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لیے ہر درکار ڈالر کی اَدائیگی ناگزیر ہے۔ کیا سچ مچ ایسا ہی ہے، اور اگر بات یہی ہے پھر تو تم شاباشی کے مستحق ہو۔ کیا یہ بڑے کارپوریشن اور کنسور شیم جناب صدر کے فرماں

بردار ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا ضمانت پر رہاشدہ بینکوں کو مغبون عوام کے غائب شدہ اربوں ڈالر کو لوٹانے کی یقین دہانی کا فرمان بھی جاری کردیں گے؟، لیکن اسے تو صرف کمانڈر ان چیف بننے کا اختیار حاصل ہے کیوں کہ وہ انسانوں کی زندگی سے کھلواڑ کرتا ہے؛ لیکن انسانوں کی دولت سے کھیلنے والے بینکوں کو یا بینک کارو کو ہٹانے کا حکم جاری کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

بے اعتدالی کے شکار سکریٹری آف اسٹیٹ کی طرح دکھائی دینے والا وائس پریزیڈنٹ اور سابقہ اسرائیلی بیلے ڈانسر چیف آف اسٹاف سے یہ کوئی امر مستبعد نہیں کہ وہ واشنگٹن کی طرف سے ہمالیہ میں جاری جنگ کے نظم وضبط کو سنبھالنے سے قاصر ہیں۔

چار ستارہ والے ممتاز جنرل کے لیے یہ کوئی حیرانگی کی بات نہیں ہونی چاہیے کہ سیاسی طبقہ اس کی کارکردگی کے درمیان مخل ہو۔ وہ اس بات سے بھی آشنا ہے کہ جنگ کی باگ ڈور کو اس کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا ہے، اور عوام کو اندھیرے میں رکھا گیا ہے۔

افغانستان کے جنگ کی حقیقت کیا ہے؟ جس نے ایک ممتاز فوجی قائد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

جنگی حقیقت اور خفیہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک سرمایہ دارانہ نظام کے ابتدائی مرحلہ میں داخل ہوگئے ہیں۔ جس کو پرائیوٹ ملٹری سوسائٹیوں کی ضرورت ہے۔ عالمی طور پر اب وہ لوگوں کو لاکھوں کے حساب سے بھرتی کررہے ہیں۔ اور مجموعی طور پر دنیا میں یہ دوسری سب سے بڑی فوج کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہر سال ایک سو ستر بلین یورو اس مقصد کے لیے صرف ہوں گے۔

پہلی فوجی پرائیوٹ یونٹ ۱۹۸۹ میں وجود پذیر ہوئی۔ یہ سابقہ جنوبی افریقہ کمانڈوز پر مشتمل تھی جن کو انگولا میں روسیوں کے انخلا شدہ ایک فوجی مرکز میں رکھا گیا تھا۔ ایگزیکیٹو آؤٹ کم نے نازک حالات سے دوچار افریقی ریاستوں کے سامنے سارے وسائل کو بروئے کار لاکر دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اسی طرح حقیقت میں فوجی کاروائیوں کی پہلی پرائیوٹیزیشن کی نمائندگی کی گئی۔

آگے چل کر امریکہ میں ایم پی آر آئی ملٹری پروفیشنل ریسورسیز انکارپوریشن وجود میں آئی۔ یہ کوئی ۱۹۹۰ کی بات ہے۔ امریکی فوجی مشینری سے مکمل مربوط انھوں نے سابقہ روسی بلاک والے ممالک کو اپنی خدمات فروخت کیں۔ اور ان کی فوجی استعداد کو نیٹو جیسی ترتیب سے آراستہ ہونے کی یقین دہانی کروائی۔ ہم کنٹریکٹرز (سروس پروائڈرز) کے دور میں داخل ہوچکے ہیں۔ ۱۹۹۱ کے دوران پہلی خلیجی جنگ میں سو فوجیوں کے بالمقابل ایک کنٹریکٹڈ سیویلین تھا۔ ۲۰۰۳ میں عراقی حملے کے دوران یہ تناسب ایک دس ہوگیا۔ ۲۰۰۷ میں پہلی مرتبہ باقاعدہ فوجیوں اور کنٹریکٹروں کا تناسب برابر ہوگیا۔

اسی سال کے ۱۶ ستمبر کے موقع پر بلیک واٹر کے نام سے سب سے بڑی پرائیویٹ ملیٹری سوسائٹی نے بغداد کے وسط میں ایک گاڑی پر گولی چلادی اور ستر بے قصور آدمیوں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی۔ عراق سے نکل کر پھر وہ ذی سرویسیز ایل ایل سی کے نام سے ابھرے۔ اور سردست افغانستان میں امریکہ کے مفاد کی خاطر سرگرم عمل ہے۔ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۹ میں افغانستان کے صوبہ خوست میں امریکی فوجی مرکز پر حملے کے دوران اسی اسٹاف کے دوکارکن قتل کردیے گئے۔ پاکستانی سرحدوں پر موجود کنٹریکٹرز اپنے مرکز سے بغیر پایلٹ والے جہاز ڈرونز کے ذریعہ پاکستانی قبائلی علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ڈرونز اپنے نشانوں کی نشان دہی کراتے ہیں اور پھر آرمی کی ایکٹیویٹیڈ میزائیلوں سے حملے کرتے ہیں۔ ۲۰۰۸ سے ۲۰۰۹ تک کراس باڈر حملوں کی تعداد چھتیس سے ترپن ہوکر مزید روز افزوں ہے۔

۲۰۰۹ میں کانگریس کی شائع کردہ ایک رپورٹ کے موافق پنٹاگون نے ایک لاکھ چار ہزار ایک سو عام شہریوں کو اس مقصد کے لیے بھرتی کیا ہے۔ اس دوران فوجوں کی تعداد ترسٹھ ہزار نو سو پچاس تھی۔ یوں ہی امریکی دفاعی فوج کے ذریعہ بھرتی شدہ باسٹھ فیصد آدمیوں کا تعلق اسی پرائیوٹ سیکٹر سے تھا۔ اسی کے مانند فوجیوں کی تعداد کی ۳۰ ہزار فوجیوں کے اضافے کا مطلب چھپن ہزار کنٹریکٹروں کو بڑھانا ہے۔ اور یوں ہی ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔

کنٹریکٹر کا کام مقبوضہ ملک کے انتظامی امور کو چلانا ہے۔ جہاں پر علاقے کا کنٹرول اور فوجی کاروائیوں میں مداخلت ان کے دائرۂ اختیار

سے باہر ہوتا ہے، تو یہی سرمایہ دارانہ پروگرام دراصل ایک امریکی جنرل کی عزت اور اس کی فوجی روایت کے منہ پر طمانچہ مارنے کا سبب بنا۔

کنٹریکٹرز نے انسانی بہبود کے سارے میدانوں کو اپنے کنٹرل میں لے رکھا ہے۔ جس میں ہاؤسنگ، سپورٹ سپلائنگ، انٹرنیٹ کنیکشنز، کھانے، انٹر کنیکشنز، ایریل سرویلنس، اینٹی ڈرگ اسکیم، افغان گورنمنٹ فورسز، نیٹو پلانز۔ اور اسی طرح ۲۰۱۰ تک افغان فوجیوں کی تعداد نو ہزار سے ایک لاکھ چونتیس ہزار تک، اور ۲۰۱۳ میں دو لاکھ چالیس ہزار تک بڑھانا۔ یہ سب ان کے دائرہ ہائے کار میں شامل ہے۔ افغان فوجیوں کی تربیت کا سہرہ کس کے سر ہے؟ کے بی آر کے اور ڈین کورپس۔ اور موخر الذکر گروپ حامد کرزئی کے صدارتی محافظ دستوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

ایم پی آر آئی افغان فوج کے ملٹری داؤ پیچ کو کنڑول کرتے ہیں۔ اور اس کے لیڈر شپ کو متعین کرتے ہیں۔ یہ کنٹریکٹ کوئی دو سو ملین ڈالرز کا ہے۔ بلیک واٹر کا ایک سسٹر گروپ پارہ وینٹ ہے جو افغان پولیس کو کنٹرل کرتا ہے جس کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک پہنچ جائے گی۔

اس تناظر میں ماہر اسکالر جارج ہینری بریسٹ ڈس ویلن کے مطابق قندھار کے سابقہ گورنر گل آغا شیر زئی کی شیر زئی سوسائٹی بھی اس میں شامل ہونی چاہیے۔ بریسٹ ڈس ویلن کے مطابق موجودہ اندرونی نظام امریکی حکومت کو کنٹریکٹرز کے اموات کو سرکاری اعداد و شمار میں شامل کرنے سے بچاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پرائیویٹ پیراملٹری فورس افغانی اور فوجی قوانین سے بالا ہے جن کو قانونی طور پر آؤٹ لاز (قانون سے بالاتر) کہتے ہیں۔ نیٹو ان کی سرکاری ڈیوٹیوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اور نیٹو ایک ایسی آرگنائزیشن ہے جس کو خود اعلان کردہ اختیار کے مطابق کسی بھی قومی یا بین الاقوامی انصاف کے کٹہرے میں نہیں لایا جاسکتا۔ آج وہ آزادانہ طور پر افغانوں کے خلاف لڑتے ہیں تاکہ ایک طرف تو منشیات کے کاروبار کو اور دوسری طرف فحاشی اور حیا باختہ چیزوں کو فروغ دے سکیں۔ موخر الذکر ایک روز افزوں ترقی کرنے والی تجارت ہے؛ جس کا ان کی قدیم تاریخ سے ایک خاص تعلق رہا ہے۔

ان حالات کی اقتصادی منطق کا تقاضا ہے کہ کنٹریکٹرز ایک طویل المیعاد مدت کے لیے اپنے سرمایے کا استثمار کریں۔ تو اس سے نیٹو کے (کسی ملک سے) برائے نام نکلنے کے دعوے کو مزید شہ مل جاتی ہے۔ اب پیشہ ورانہ فوجیوں کے سامنے لرزنے والے نائک شوز والے پریزیڈنٹ کو بتایا گیا ہے کہ ممتاز فوجی کمانڈر کی معزولی ضروری ہے تاکہ بی پی کے بحران سے متعلق سیاسی الزامات سے بچنے کی راہ مل سکے۔ کیا اس نے اس کو فوجی فلسفہ کی بنیاد پر معزول کیا ہے؟ پھر تو سیاسی جمہوریت کی بقا کے امکانات نظر آسکتے ہیں۔ ہٹلر نے سیاسی غیر محفوظگی کی وجہ سے رومل کو ہلاک کیا۔ چرچل نے دوسری جنگ عظیم کے معروف ترین فوجی ارل ویول کو موت کے گھاٹ اُتارا؛ کیوں کہ ملک سیاسی بدنظمی کا شکار تھا۔ ٹرومین نے میک آرتھر کو ملک کے اندر انارکی کی وجہ سے تہ تیغ کیا۔ اور اس نے فوجی فتح کی بجائے دنیا کو کمیونسٹ نارتھ کوریا اور نیوکلیر بم کا تحفہ دیا۔

بش نے پاول کو سیاسی میدان میں جھوٹ اگلوانے کے ذریعہ برباد کیا۔ اب ایک مکمل نااہل، غیر تعلیم یافتہ، غیر موزوں، سیاسی صدر نے ایک انتہائی مشہور جرنیل کو اپنے عہدے سے ہٹادیا۔ ہزاروں کیلو میٹر کے فاصلے پر موجود (کمانڈر) نے ایک ایسے آدمی سے نجات پائی جس نے محسوس کرلیا تھا کہ امریکہ ناکام ہوگیا ہے۔ اور اس نے عوام کو یہ سمجھنے کا قصداً موقع دیا کہ یہ جنگ کسی خاص قسم کی جنگ نہیں ہے بلکہ کارپوریشنوں کی سرمایہ داری کی مہم ہے۔ اب یہ امریکہ کا آخری موقع ہے کہ یہ ایشیا میں اپنے پنجوں پر کھڑا ہے اور ایشیا کو مزید اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ممتاز جنرل کو میدانِ جنگ سے برطرف کردیا گیا۔

جنگ اب اپنے نقطہ اختتام کو پہنچ چکی ہے؛ ہاں وقتی طور پر محض کچھ بے وقعت خون خرابے جاری رہیں گے۔